ایرج مرزا اور اس کی شاعری پر ایک نظر

از

(جناب ڈاکٹر قاضی محمد ابراہیم صاحب ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ اسلامیہ یوسفی کالج جوگیشوری)

فارسی ادب کو جن شعراء پر ناز ہے ان میں ایرج مرزا کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے ایرج مرزا کی زندگی کا دور ایران کی تاریخ میں نہایت اہم ہے اس زمانے میں ایران مغرب سے اثر پذیر ہو رہا تھا جمہوریت اور آزادی کی صدائیں اس ملک کے گوشے گوشے میں سنائی دے رہی تھیں اہل ایران میں سیاسی بیداری پیدا ہو چکی تھی۔ شاہانِ وقت کے خلاف نعرے عام تھے قاچار خاندان کا چراغ ٹمٹما رہا تھا اس بیداری کو ادیبوں اور شاعروں نے ہوا دے کر اور بھی مشتعل کر دیا تھا۔ اسی زمانہ میں ایرج مرزا نے جنم لیا۔

ایرج مرزا ایران کے شاہی خاندان سے متعلق تھا زمانے کے حالات کے اعتبار سے قاچار خاندان ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ایران زمانہ دراز سے جنگ کا میدان بن چکا تھا۔ ہزاروں لڑائیاں اس عظیم الشان ملک میں لڑی گئیں۔ کئی خاندان برباد ہوئے اور کئی برسرِ اقتدار آئے۔ لیکن ان لڑائیوں میں جمہوریت اور آزادی کی بو نہ تھی۔ کسی نے آزادی کے نعرے نہیں لگائے۔ یہ لڑائیاں تخت و تاج حاصل کرنے کے مقصد سے لڑی گئیں کسی نے تلوار اٹھائی تو تاج کی حفاظت کے لئے کسی کا سر زیرِ تیغ ہوا تو تخت و تاج کے تحفظ کے لئے۔ تخت و تاج ہی کے لئے جاں بازوں نے جاں نثاروں نے اور بڑے بڑے سورماؤں نے اپنی جانیں کھو کر اپنی جاں بازی اور جواں مردی کا ثبوت دیا اس وقت کسی نے آزادی و جمہوریت کے لئے آواز بلند نہیں کی۔ سہراب و رستم کا یہ مایہ ناز ملک آزادی اور جمہوریت سے ہنوز ناآشنا تھا۔ شاید یہ آشنائی قاچاریوں کے نصیب میں تھی۔

ایرج مرزا کا پورا نام شاہزادہ ایرج مرزا جلال الملک بن غلام حسین مرزا ابن ملک ایرج بن فتح علی شاہ قاچار تھا[1] اس کی ولادت رمضان ۱۲۹۱ھ میں تبریز میں ہوئی جیسا کہ خسرو ایرج، ایرج مرزا کے

[1] دیوان ایرج مرزا ص ۸

دیوان کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں :

"شاہزادہ ایرج مرزا .... در ماہِ رمضان ۱۲۹۱ھ ہجری قمری در تبریز متولد شدہ"[1]

تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے ایرج مرزا کی ولادت کے متعلق یہی لکھا ہے۔ دراصل اس قسم کی معلومات میں ایک چیز کی کمی نظر آتی ہے۔ ایرج مرزا کو وفات پائے زیادہ عرصہ نہیں گزرا اگر پیدائش کی ٹھیک تاریخ کا بھی سراغ لگتا تو زیادہ مفید ہوتا تاہم ریسرچ کے طلبہ کے لئے یہ چیز قابلِ تحقیق ہے۔ چوں کہ شاہی خاندان میں پیدا ہوا تھا اس لئے اس کی تربیت بھی شاہانہ طریقہ پر ہوئی جیسا کہ اس کے اپنے ذیل کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے۔ ان اشعار میں ایرج ان خادموں کا ذکر کرتا ہے جن کی گود میں اس کی پرورش ہوئی :

من آں ساعت کہ از مادر بزادم — بدامِ مہرِ چنگ مہ فتادم
مرا گشتند مہر و مہ دو خادم — بنوبت روز و شب بر من ملازم
یکی ماما یکی لالای من شد — سر زانوئے این دو جای من شد
بمن گفتند کیں لالا و ماما — کہن خدمت گذارانند بر ما
نیاکان ترا ہم این دو بودند — کہ روز و شب پرستاری نمودند
تو ہم از این دو یابی پرورشہا — خوری از سفر اینان خورشہا[2]

جوں ہی ایرج نے ہوش سنبھالا اس کے سرپرستوں نے اس کی تعلیم کی طرف توجہ دی اور بہتر سے بہتر اساتذہ کا اس کی تعلیم کے لئے تقرر کیا چنانچہ ان اساتذہ میں آقا محمد تقی (عارف اصفہانی) اور مرزا نصر اللہ (بہار شیروانی) کے نام خاص قابلِ ذکر ہیں۔ خسرو ایرج اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے :

"ایرج مرزا باوجود صغر سن در خدمت دو استاد بزرگ آقا محمد تقی (عارف اصفہانی) و مرزا نصر اللہ (بہار شیروانی) تلمذ کردہ"[3]

افسوس اس بات کا ہے کہ تذکرہ نگاروں نے یہ نہیں بتایا کہ ایرج مرزا نے ان اساتذہ سے کیا سیکھا لیکن

---

[1] دیوان ایرج مرزا ص ۸ [2] ایضاً ص ۸ [3] ایضاً ص ۲

زمانہ کے رواج کے مطابق یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے ابتدا میں فارسی، عربی اور ہندسہ کی تعلیم پائی، انیسویں صدی جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے ایران کی تاریخ میں انقلاب خیز ثابت ہوئی۔ اسی صدی میں ایران مغرب سے زیادہ متاثر ہونا شروع ہوا اور یہی وہ زمانہ ہے جب کہ فارسی ادب نے کروٹ لی اس میں بھی ایک انقلاب رونما ہوا یہ انقلاب خاص انقلاب تھا اس کی نوعیت ایک خاص نوعیت تھی اسی زمانے میں فارسی کے علم بردار اس کے لکھنے پڑھنے والے صاحب قلم اس کے ادیب اور شاعروں اور جرنلسٹوں نے ایک نئی تحریک جاری کر کے فارسی کو عربی اور عربی الاصل الفاظ سے پاک کرنا شروع کیا ہی نہیں بلکہ ان کی جگہ مغربی زبانوں کے الفاظ کو استعمال کرنا شروع کیا خصوصاً ان ترقی پسندوں نے فرانسیسی الفاظ زیادہ استعمال کئے اس ذہنی انقلاب کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ اہلِ ایران نے فرانسیسی زبان کو اپنے ملک میں وہی رتبہ بخشا جو ہندوستان میں انگریزی کو حاصل تھا۔ لہٰذا ہر تعلیم یافتہ شخص اس زبان سے روشناس ہونا باعث فخر سمجھتا تھا۔ ایرج مرزا بھی اسی ملک کا باشندہ تھا۔ اس نے بھی اس زبان پر عبور حاصل کیا جس کا اندازہ اس کے کلام سے بخوبی لگ سکتا ہے اس ضمن میں اس کی ایک نظم بہت مشہور ہے جس کے متعلق ڈاکٹر ایم اسحاق صاحب یوں لکھتے ہیں:

"دریں ابیات خود را مقید کردہ است کہ کلمات فرانسوی در شعر استعمال کند۔"[1]

ایرج کے یہ اشعار حسبِ ذیل ہیں:

بسکہ در لیور و ہنگام لتہ — دوسیہ کردم کارتن ترتہ
بسکہ نت دادم و انکت کردم — اشتباہ بروت ونت کردم

---

[1] اس نظم کے فرانسیسی الفاظ یہ ہیں:

(۱)	لیور	L hiver	بمعنی زمستاں	(۷)	شمیز	Chemise
(۲)	لتہ	Lete	" تابستان	(۸)	پاراف	Paraphe
(۳)	دوسیہ	Dossier	" فائل	(۹)	بورو	Bureau
(۴)	پونتز	Pomuse	" نبس	(۱۰)	آمور	Amour
(۵)	ترتہ	Traite		(۱۱)	نومرو	Numero
(۶)	نت	Note		(۱۲)	زرو	Zero

سوزن آوردم و سنجاق زدم پوتر و پنس باوراق زدم
هی نشستم بمناعت پس میز هی تباندم دوسیه لای شمیز
هی باراف هشتم و امضا کردم خاطر مدعی ارضا کردم
گاه با زنگ و زمانی باهو پیشخدمت طلبیدم به پورو
تو بمیری ز آموره افتادم از شر و شور و شعور افتادم
چکنم زانهمه شیفر و نومرو نیست در دست مرا غیر زرو
هی بده کار تن و بستان دوسیه هی بیار از در دکان نسیه

لہذا ایرج مرزا نے دورانِ تعلیم میں اس زبان کو بھی سیکھا۔ خسرو ایرج کی ذیل کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرج مرزا نے فرانسیسی زبان اور علومِ متداولہ کو تبریز کے مشہور مدرسہ میں حاصل کیا یہ مدرسہ دار الفنون تبریز کے نام سے مشہور ہے۔ نیز ایرج مرزا نے منطق اور بیان کے درس بھی پڑھے چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"در ہنگام رشد برائی تکمیل زبان فرانسہ و سایر علوم متداولہ بمدرسہ دار الفنون تبریز وارد شدہ و خارج از مدرسہ در حوزۂ درس آشتیانیہای برای تحصیل منطق و معانی و بیان حاضر می شد۔"

تحصیلِ علم کے اسی دور میں ایرج مرزا کی زندگی میں ایک انقلابِ عظیم رونما ہوا۔ صغر سنی میں جب کہ وہ سولہ سال کا تھا اس کے کمزور کندھوں پر ازدواجی زندگی کا بوجھ رکھ دیا گیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد اس کے والد کا انتقال ہوا جس کی وجہ سے اس کی ذمہ داریوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ سب سے بڑی چیز جو ایرج مرزا کی پریشانی میں اضافہ کر رہی تھی وہ خانوادہ کی پرورش اور تلاشِ معاش کی فکر تھی جس کی وجہ سے اسے اپنے اصولوں کی قربانی بھی دینی پڑی۔ شروع ہی سے ایرج نے حریت پسند طبیعت پائی تھی وہ ملازمت کو طوقِ زندگی سمجھتا تھا جہاں آدمی کو اپنی خودی کھو دینا پڑتی ہے اور اپنے آقا کی بے جا خدمت کرنا عین فرض سمجھا جاتا ہے زندگی کے اس موڑ پر آ کر ایرج نے ان تمام چیزوں پر غور کیا۔ اس کے سامنے دو چیزیں تھیں ایک طرف کنبہ کی ذمہ داریاں اسے تلاشِ معاش پر مجبور کر رہی تھیں اور دوسری طرف احساسِ

خودی اسے روک رہی تھی کہ وہ خودی کو نہ بیچے زندگی کی اس کشمکش میں جیت کسی ایک کی ہوتی ہے ایرج مرزا نے با دلِ ناخواستہ ملازمت کا طوق گلے میں پہن لیا۔ اس کے بیشتر اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملازمت اور غلامی سے سخت متنفر تھا لیکن نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن چنانچہ اس کے ذیل کے اشعار سے اس کی نفرت کا پتہ چلتا ہے جہاں قدم قدم پر خوشامد کرنی پڑتی ہے :

گاہ حاکم شدن وگاہ دبیر　　گہ ندیم شہ وگہ یارِ وزیر
با سفرہای پیاپی کردن　　ناقہ راحتِ خود پی کردن
گرد سرداری سلطاں رفتن　　بلہ قربان بلہ قربان گفتن
گفتن اینکہ ملک ظلِ خداست　　سینہ اش آئینۂ غیب نماست

ایرج نے ۱۳۲۴ھ میں جب کہ اس کی عمر ۲۳ سال کی تھی ملازمت اختیار کی اور اس طرح زندگی کے ایک نئے دور میں اس نے قدم رکھا سب سے پہلے ایرج مرزا مظفر الدین شاہ قاجار کی خدمت میں داخل ہوا :

"ایرج مرزا در سنہ ۱۳۰۹ ہجری قمری در دربار ولی عہد (مظفر الدین شاہ قاجار) راہ یافتہ"

یہ چیز قابلِ ذکر ہے کہ قاجار خاندان کے سب ہی افراد علم و ادب کے دل دادہ تھے۔ اس خاندان کے سلاطین نے اور شاہزادوں نے شعرا اور ادیبوں کی دل سے قدر کی اور انھیں بیش بہا صلے دے کر ان کی ہمت افزائی کی۔ یہی نہیں بلکہ اس خاندان کے بیشتر افراد صاحب تصنیف اور شاعر بھی تھے۔ جیسے کہ ڈاکٹر رضا زادہ شفق کی ذیل کی تحریر سے واضح ہے یہ تحریر ان کی مشہور و معروف تصنیف "تاریخ ادبیات ایران" سے ماخوذ ہے مصنف موصوف کا بیان ہے کہ فتح علی شاہ قاجار شاعر تھا اور نیز صاحب دیوان بھی تھا اس کے علاوہ ناصر الدین نے قصائد بھی لکھے اور غزلیں بھی موزوں کی ہیں۔ اسی طرح اس خاندان کے شاہزادوں نے بھی قصیدے، غزلیں اور مثنویاں لکھیں۔ فرہاد مرزا نے اپنے والد عباس مرزا نائب السلطنت کے حالات کو ایک رسالہ میں قلم بند کیا ہے۔ یہ شاہزادہ شاعر بھی تھا۔ عباس مرزا کا بھائی محمود مرزا بھی مورخ اور اہلِ قلم تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر موصوف کے الفاظ یہ ہیں :

"بعضی از شاہان و شاہزادگانِ قاجار خود شاعر و مؤلف بودند چنانکہ فتح علی شاہ دیوان اشعار دارد

وناصر الدین شاہ قصاید وغزلیات سرودہ۔ عدہ ای از شاہزادگان قاجار نیز . . . . . .
اشعار سرودہ وقصائد وغزلیات وغزلیات ومثنوی ہا گفتہ اند . . . . . .[1]

شاہانِ قاجار کی اس ادب دوستی کے علاوہ یہ بھی جاننا چاہیئے کہ انھوں نے شعرا کو صلوں سے نوازا اور ان کی ہمت افزائی کی۔ نشاط دورِ قاجار کا ایک مشہور شاعر تھا۔ ناچاقی فلک کی وجہ سے وہ سخت مقروض ہوگیا جس کی وجہ سے وہ سخت پریشان ہوا۔ فتح علی شاہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تب اُس نے بقول "حیف باشد دلِ دانا کہ مشوش شد" تیس ہزار تومان دئے نشاط نے چند اشعار لکھ کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ چنانچہ ابراہیم صفائی نے اپنی کتاب "نہضت ادبی ایران در عصر قاجار" میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے۔

"شاہ از حال ظاہری نشاط گرفتار یہای اوراد دریافت و وقتی بقرضے او واقف شد بدستور داد سی ہزار تومان سکوک طلا از خزانہ مخصوص بخانہ نشاط فرستادند . . . . . در این موقع بود کہ نشاط بہمت بلند ادب پروری شاہ آفرین خواندہ گفت :

زر مگر از زردی دشمن رنگ بگرفت است دام کا ئینر بال در پیشگاہ شاہ خوار است اینچنیں"[2]

مظفر الدین شاہ اسی ادب نواز خاندان کا ایک فرد تھا۔ ابتداء ہی سے اسے علم و ادب سے دلچسپی تھی یہی نہیں بلکہ مظفر الدین بہت بڑا مربی بھی تھا۔ اس نے ایرج مرزا کی شاعرانہ استعداد کو بھانپ لیا اور اس کی قابلیت کی تعریف کی۔ چنانچہ اس نے ایرج مرزا کو صدر الشعراء کے لقب سے سرفراز کیا۔ ایرج مرزا ایک عرصہ تک شاہ کی خدمت میں رہا مظفر الدین شاہ ایرج سے کافی متاثر تھا۔ لہذا اسے اپنا منشی خاص مقرر کیا اور جب حکومت کے کاروبار کے سلسلے میں مظفر الدین شاہ طہران ۱۳۱۴ھ میں واپس آیا تب ایرج کو بھی اپنے ساتھ لایا۔ غالباً یہ پہلا موقع تھا جب ایرج مرزا نے اپنے وطن سے باہر قدم رکھا۔ اسی زمانے میں شاہ نے کرمان اور یزد کے منشی کا عہدہ ایرج مرزا کو دیا۔ یہاں یہ نوٹ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں حکومتِ ایران مغربی حکومتوں سے زیادہ ربط پیدا کرنے میں کوشاں تھی اس ضمن میں حکومتِ ایران نے ایک خاص پالیسی اختیار کی۔ حکومتِ ایران نے مغربی تعلیم

---

[1] تاریخ ادبیاتِ ایران ص ۳۴۵ [2] ص ۲۰

کو اپنے ملک میں علم کرنا ضروری سمجھا تاکہ ملک کی سیاسی اور اقتصادی حالت بہتر سے بہتر بن سکے۔ کچھ حد تک یہ پالیسی مفید ثابت ہوئی۔ اس پالیسی کے تحت ایران نے کئی لوگوں کو انگلستان، فرانس اور یورپ کے دیگر ممالک میں بھیجنا شروع کیا۔ ۱۸۵۸ء میں شاہ ایران نے ۴۲ طلبہ کو تحصیل علم کے لیئے فرانس بھیجا۔ حکومت کے دیگر افراد نے بھی یورپ کا سفر کیا۔ مظفرالدین شاہ کا یورپ کا سفر ایران کی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے۔ شاہ کے علاوہ جن لوگوں نے یورپ کا سفر کیا ان میں مرزا احمد خان قوام السلطنت بھی تھا۔ اسی کی ہمراہی میں ایرج مرزا نے بھی یورپ کا سفر کیا یورپ سے واپس لوٹنے کے بعد حکومت کا ایک نیا شعبہ ایرج کے ذمہ کر دیا گیا یہ تجارت کا شعبہ تھا۔ ۱۳۱۸ھ میں ایرج مرزا آذربایجان سے جہاں وہ عہدۂ مذکور پر فائز تھا نظام السلطنت کی معیت میں طہران آیا۔ تذکرہ نگاروں نے اس کی وجہ نہیں لکھی۔ دوسرے سال ایرج خمسہ روانہ ہوا۔ اس نے طہران کیوں چھوڑا خمسہ کیوں گیا عدم معلومات کی وجہ سے ان کے جوابات نہیں ملتے۔ تاہم ایرج کی سوانح لکھتے وقت اتنی معلومات بھی غنیمت ہے کہ ۱۳۱۸ھ میں وہ طہران میں تھا اور ۱۳۱۹ھ میں وہ خمسہ روانہ ہوا۔

دورانِ ملازمت میں ایرج مرزا نے حکومت کے مختلف شعبوں میں اپنی خدمتیں انجام دیں۔ ۱۳۱۹ھ میں اس کی ملازمت میں ایک تبدیلی رونما ہوئی۔ حکومت کی مشنری میں کسٹمس کا محکمہ بہت اہم مانا جاتا ہے۔ ایرج کی قابلیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حکومتِ ایران نے اس محکمہ کی خدمات ایرج کے سپرد کیں۔ بقول خسرو ایرج بلجیم کے چند افراد کی سفارش سے ایرج کا تقرر ہوا[1]

اس محکمہ میں اس نے چند سال کام کیا اس دوران میں اسے کرمان شاہ اور کردستان بھی جانا پڑا اس وقت روس کوشاں تھا کہ اپنا اثر ایران پر ڈالے چنانچہ اس نے شاہِ ایران کو ایک کثیر رقم بطور قرض دینے میں بھی دریغ نہیں کیا۔ حتیٰ کہ روس نے ایران کے محکمۂ کسٹمس پر بڑی حد تک اپنا قبضہ جما لیا[2]۔ شاہ کی اس حرکت کو شعرائے وقت نے بھی محسوس کیا بلکہ اشعار لکھ کر حکومت

---

[1] دیوانِ ایرج مرزا ص ۴ [2] ماڈرن پرشین پوئٹری ص ۱۲۵

کی مذمت بھی کی ۔ جعفر سیاح کا ایک شعر نمونتاً سپردِ قلم ہے : ؎

مظفرِ زر روسہا ستانید وام وزاں وام افتاد گمرک بدام

دراصل شاہ کو قرض کی ضرورت اس لئے پڑی کہ وہ یورپ جاکر اپنا علاج کرانا چاہتا تھا۔ اس نے پہلی بار یعنی ۱۹۰۰ء میں روس سے ۲۴٫۰۰٫۰۰۰ پونڈ قرض لئے اس کے عوض میں حکومت کی کسٹمس کی کل آمدنی (سوائے فارس اور پرشین گلف) روس کو دینے کا اقرار کیا۔[1] اسی طرح ۱۹۰۲ء میں یعنی ایک ہی سال بعد شاہ نے ۱۰٫۰۰٫۰۰۰ روبل قرض لئے۔ ایسی حالت میں شاہ نے اگر ایرج کا تقرر اس محکمہ میں کیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیوں کہ وہ اپنے لوگوں کو محکمہ میں رکھنا پسند کرتا تھا جن پر اسے پورا بھروسہ ہو اور ایرج مرزا تو اسی خاندان کا ایک فرد تھا۔ ایرج مرزا اس محکمہ میں چار سال تک خدمت انجام دیتا رہا۔ اس محکمہ میں مقامی لوگوں کے علاوہ بلجیم کے لوگ بھی خدمت گذار تھے۔ چند وجوہات کی وجہ سے ایرج نے اس ملازمت کو خیرباد کہا۔ ایرج مرزا کی زندگی میں یہ چیز نمایاں معلوم ہوتی ہے کہ اس نے ایک سے زیادہ اداروں اور شعبوں میں کام کیا۔ یہ ادارے ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔ دورانِ ملازمت میں ایرج نے اپنی لیاقت اور قابلیت کا سکہ حکومت کے بڑے افسروں پر جمالیا تھا۔ حکومتِ ایران اس کی قابلیت کا لوہا مان چکی تھی۔ اسی وجہ سے گمرک سے نکلنے کے بعد صنیع الدولہ نے ایرج مرزا کو محکمہ تعلیم میں نمایاں عہدہ دیا ایرج نے ۱۳۲۵ھ تک اس محکمہ میں خلوص نیتی اور دل جمعی سے کام کیا۔ بقول خسرو ایرج اس محکمہ سے نکلنے کے بعد ایرج مرزا پھر محکمہ گمرک میں داخل ہوا[2] : الغرض ایرج مرزا نے مختلف شعبوں میں خدمت انجام دی۔ دورانِ ملازمت میں ایرج مرزا کو ایک جانکاہ اور جگرخراش سانحہ سے دوچار ہونا پڑا ۱۳۳۱ھ میں اس کا جوان لڑکا جعفر قلی مرزا اس دنیا سے چل بسا۔[3] ایرج مرزا نے ذیل کے اشعار میں اپنے لختِ جگر کی موت کا تذکرہ کیا ہے۔ آخری شعر سے تاریخ وفات بھی ملتی ہے :

ہر کہ آمد دریں جہاں ناچار رود ازیں جہاں چہ شہ و چہ گدا

[1] دیوان ایرج مرزا ص ہ [2] ایضاً

یک جہاں دگر خدای آراست — کہ بود نام آن جہاں بقا
سوی دارِ بقا رود ہر کس — کہ بیامد دریں سرای فنا
پور ایرج نوادۂ خاقان — آں ملک زادۂ فرشتہ لقا
من بادِ صرد او بمن عم بود — نہ من او را نہ او بدید مرا
ز بیست پنجاہ واند سال بدہر — چوں دریں خاکداں ندید وفا
سوی جنت برفت بادلِ شاد — تا بماناد جاوداں آنجا
بہرِ تاریخِ فوتش ایرج گفت
رفت جعفر قلی ازیں دنیا[1]

دورانِ ملازمت میں ایرج نے ایک آسودہ زندگی بسر کی۔ چوں کہ شاہی خون رگوں میں تھا اس لئے رہنے سہنے کا طریقہ بھی ایسا ہی تھا جس سے شاہانہ جھلک نمایاں ہو چنانچہ اس کا مکان خاص رونق اور جاذبیت کا حامل تھا جس کے فرش بیش بہا قالین سے ڈھکے ہوتے جس کا صحن اس بات کا گواہ تھا کہ یہ کسی معمولی آدمی کا مکان نہیں ہے بلکہ ایک ثروت مند کا ایک صاحب جاہ و جلال کا یا ایک شہزادہ کا مکان ہے جس میں ایک اعلیٰ صحن ہی نہیں بلکہ ایک خوبصورت حوض بھی ہے جس کی خوبصورتی کے لئے بہتر سے بہتر انجنیئروں نے خون پسینہ ایک کیا تھا آرٹ کے بہترین نمونے تھے۔ ایسی عالی شان اور باوقار کوٹھی میں جو چیزیں رونق بڑھانے والی تھیں ان میں طرح طرح کے موسیقی کے آلات بھی تھے تاکہ لمحاتِ عیش میں اپنے آقا کو محظوظ کر سکیں۔ چوں کہ ادبی ذوق اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا اس لئے اس نے بے شمار کتابوں کا ذخیرہ فراہم کیا جس سے ایک چھوٹا سا خوبصورت کتب خانہ بن گیا تھا۔ ایرج مرزا خود اس آسودہ زندگی کا اور اس شاندار مکان کا ذکر اپنے ذیل کے اشعار میں کرتا ہے:

ہم اسباب عیشم آمادہ — خانہ عالی و صحنِ خانہ گزیں

---

[1] دیوان ایرج مرزا ص ۱۷۶

فرشہا داشتم ہمہ زرتار | جلہا داشتم ہمہ زریں
نرد و شطرنج از صنائع ہند | قلم و کاغذ از بدائع چین
میزہا خوب و پردہ ہا مرغوب | حوضم از سنگ و آینۂ سنگین
دف و نی بے حساب در تالار | خم می بے عدد بشیبِ زمیں
اسپہا در طویلہ ام بستہ | ہمہ را پای بند و رشمہ و زین
در تشنگی کتابخانۂ من | شدہ ہمچو نگار خانۂ من

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایرج نے حکومت کے مختلف شعبوں میں شہرت اور ہر دل عزیزی حاصل کی لیکن ان کے باوجود اس کی زندگی میں ایک خلا سا تھا۔ اطمینان، سکون اور یہی راحت جن کا وہ خواہاں تھا اسے نصیب نہیں ہوئے۔ ملازمت اس کی طبیعت کے خلاف تھی لیکن حالات نے اسے مجبور کیا تھا اس پر طبیعت ایسی پائی تھی کہ آخر حسب خاطر پونجی باقی رہی نہ کوئی جائداد، اس کا ذکر وہ خود اپنے ذیل کے اشعار میں کرتا ہے:

بعد سی سال قلم فرسائی | نوکری، کیسہ بری، ملائی
گاہ حاکم شدن و گاہ دبیر | گہہ ندیم شہ و گہہ یار وزیر
گرد سرداری سلطان رفتن | بلہ بلہ قربان گفتن
باز ہم کیسہ ام از زر خالیست | کیسہ ام خالی و ہمت عالیست
نہ سری دارم و نہ سامانی | نہ دہی، مزرعۂ و نہ دکانی
نہ سر و کار بیک بانک مراست | نہ بیک بانک یکی دانگ مراست [۱]

چنانچہ اطمینانِ قلب کا ایرج آخر تک خواہاں تھا۔ اس ضمن میں خسرو ایرج کے یہ الفاظ قابلِ تحریر ہیں:

"ہموارہ غمگیں و مترصد استخلاص ازیں شغل نامطبوع بود" [۲]

ایرج کی زندگی میں کئی حادثات رونما ہوئے کئی طوفان آئے لیکن ایسے آلام و مصائب میں

---

[۱] دیوان ایرج مرزا ص ۱۰۹ [۲] ایضاً ص ۸۹-۹۰ [۳] ایضاً ص ۳

اس نے صبر و استقلال کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس نے زندگی کا مقابلہ ڈٹ کر کیا۔ اس نے زندگی کے اس تاریک پہلو پر کبھی زیادہ غور نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ وہ نہ صرف کامیاب شاعر بنا بلکہ زندگی کے ہر مرحلہ پر مشعلِ راہ بنا جس کی روشنی سے اس نے اپنے ملک کی اپنے ہم وطنوں کی راہنمائی کی۔

ایرج مرزا کو ادب سے خاص لگاؤ تھا۔ گو اس کی زندگی کا بیشتر وقت ملازمت و ربلی قربان بلی قربان کہتے گذرا تاہم ادبی ذوق ہمیشہ اس سے وابستہ رہا۔ ادب اور شاعری کا ایک غیر معمولی ذوقِ سلیم وہ اپنے ساتھ لے کر آیا تھا جو اس کے کلام کے ہر لفظ سے بلکہ ہر حرف سے واضح و قاطع ہے۔ فارسی کے ساتھ ساتھ ایرج مرزا عربی اور فرانسیسی زبان اور ادب کا بڑا شائق تھا جس کا اندازہ اس کے کلام سے بخوبی لگ سکتا ہے۔ ایرج مرزا کو کتب بینی کا بے حد شوق تھا بسا اوقات اس کو حالاتِ مخالف اور نامساعد سے سابقہ رہا۔ سرکاری ملازمت کے قیود انتظامی عہدوں کی ذمہ داریاں اور ان کی وجہ سے علمی مرکزوں سے بُعدِ مسافت اور علمی صحبتوں کی عدم موجودگی میں کتابیں ہی اس کی بہترین انیس و ہمدم ہوا کرتی تھیں۔ کتابیں ہمیشہ اس کے ساتھ خلوت و جلوت میں رہتیں۔ کتب بینی کے لئے ایرج مرزا اتنا وقت ضرور نکال لیتا کہ وہ ان کا مطالعہ چند لمحوں کے لئے کر سکے مطالعہ کے لئے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ جدید تصانیف یا دیوان پڑھتا رہے بلکہ شعرائے متقدمین کے کلام سے بھی اسے اتنا ہی لگاؤ تھا جتنا لگاؤ اسے جدید ادب و شاعری سے تھا۔ ذیل کے اشعار سے جہاں وہ نظامی گنجوی کے اشعار کی طرف اشارہ کرتا ہے اس امر کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ شعرائے متقدمین کا کلام بھی اس کے مطالعہ کا ایک جزو تھا۔ یہ اشعار ایرج کی نظم "نصیحت بفرزند" سے ماخوذ ہیں۔

خوانم بتو بیتی از نظامی   آں میر سخنورانِ نامی

بالا نگری بغایت خود   بہتر ز کلاہ دوزیِ بد[1]

---

[1] دیوانِ ایرج مرزا ص ۲۸

نیز ایک قصیدے میں ایرج مرزا اپنے ممدوح کو (جو غالباً اس کا اپنا لڑکا ہی ہے) تحصیلِ علم کی طرف راغب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ درس و تدریس سے جب تیری طبیعت اکتا جائے تب میں تجھے تواریخ اور کتُبِ سیر سے خلفائے راشدین کے قصے سناؤں گا تاکہ تیری تکان دور ہو جائے اس ضمن میں ذیل کے اشعار جس سے ایرج کی کتب بینی کا پتہ چلتا ہے ملاحظہ ہوں :

شب کہ از درس شدی خستہ و از مشق کسل ۔۔۔ نقل گویم بتو از روی تواریخ و سیر

قصہ ہا بہر تو خوانم برش ہیچ بود ۔۔۔ بعلی قصہ عثمان و ابوبکر و عمر[۱]

ذوقِ کتب بینی کے ساتھ ساتھ ایرج مرزا کو کتب فراہمی کا بھی بڑا شوق تھا۔ اس سے ایرج کی اپنی لائبریری کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ اس کی تصدیق اس کے ایک شعر سے ہوتی ہے جہاں وہ اپنے کتب خانہ کا ذکر کرتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایرج مرزا نے کتابوں کی حفاظت اور آراستگی میں اپنی خاص توجہ دی تھی جس کی وجہ سے اس کا یہ کتاب خانہ نگارستانِ چین کو شرمانے کے لئے کم نہ تھا۔ چنانچہ اس کا شعر حسب ذیل ہے :

در تشنگی کتاب خانۂ من ۔۔۔ شدہ ہیچو نگار خانۂ چین

ایرج مرزا کو شعر و شاعری سے بے حد لگاؤ تھا۔ زندگی کے ہنگاموں سے جب فرصت ملتی وہ شعر گوئی کی طرف مائل ہوتا۔ اس کی یہی دلچسپی تھی جس کی وجہ سے وہ مشاعروں اور مسابقوں میں حصہ لیتا تھا۔ طہران میں ایک مسابقہ ہوا جس میں بہت سے ادیبوں نے حصہ لیا تھا۔ مسابقہ کا مضمون "مکن مارا فراموش" یعنی "ہمیں بھول نہ جا" تھا۔ اس مضمون کو شعرا نے اپنے طور پر الگ الگ پیرایہ میں باندھا۔ اس وقت ایرج مرزا نے جو اشعار موزوں کئے وہ "ہدیۂ عشق" کے زیرِ عنوان اس کے دیوان میں موجود ہیں۔ ان اشعار میں ایرج نے ایک قصہ بیان کیا ہے جس میں وہ ایک عاشق کا ذکر کرتا ہے جس نے محبوب کی آرزو کو پورا کرنے کے لئے اپنی جان تک دے دی۔ چونکہ ان اشعار کی تعداد زیادہ ہے اس لئے چند منتخب اشعار ذیل میں سپردِ قلم ہیں :

[۱] دیوان ایرج مرزا ص ۱۶۱

عاشقی محنتِ بسیار کشید | تا لبِ دجلہ بمعشوقہ رسید
تشدہ از گلِ رویش سیراب | کہ فلک دستہ گلی داد بآب
نازنین چشم بشط دوختہ بود | فارغ از عاشقِ دلسوختہ بود
دید در روی شط آید بشتاب | نو گلی چوں گل رویش سیراب
گفت وہ وہ چہ گلِ رعنائیست | لایق دست چو من زیبائیست
حیف از ایں گل کہ برد آب او را | کند از منظرہ نایاب او را
زیں سخن عاشق معشوق پرست | جست در آب چو ماہی از شست
باری آں عاشق بےچارہ چو بط | دل بدریا زد و افتاد بشط
دید آبیست فراوان و درست | بنشاط آمد و دست از جان شست
دست و پائی زد و گل را بربود | سوی دلدارش پرتاب نمود
گفت کی آفتِ جاں سنبلِ تو | ما کہ رفتیم بگیر ایں گلِ تو
بکنش زیب سرائے دلبر من | یاد آبی کہ گذشت از سرِ من
جز برای دلِ من بوش مکن | عاشقِ خویش فراموش مکن

ایرج مرزا کو شروع ہی سے شاعری سے لگاؤ تھا۔ ایسی کم عمر میں اس کی استعدادِ شاعری کو دیکھ کر لوگوں نے اس کی ہمت افزائی کی ان لوگوں میں حسن علی خاں امیر نظام گروسی مشہور ہے۔ ایرج مرزا نے اپنی مشق جاری رکھی اور شعر موزوں کرتا رہا۔ اس نے ہر وقت نئے موضوعات کو شاعری میں داخل کیا۔ چنانچہ اس کا دیوان اس بات کی تصدیق کرتا ہے۔ اس میں متقدمین کا رنگ بھی پایا جاتا ہے اور اس کے اپنے زمانہ کا حال بھی رونما ہے ادب اپنے زمانے کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جب تک شاعری بادشاہوں اور ان کے درباریوں کی جود و سخا کی مرہونِ منت رہی قصیدہ اور غزل سے آگے نہ بڑھ سکی۔ شاعروں نے اپنی تمام قوتِ فکر ممدوح کی بیجا اور بےجا تعریف میں صرف کر دی یہی وجہ ہے کہ فارسی ادب کا بیشتر حصہ قصیدہ گوئی۔ غزل سرائی اور مثنوی نگاری سے بھرپور ہے۔

اس وقت کوئی شاعر نہ تھا جو شعر گوئی کے میدان میں انقلاب پیدا کر سکتا تھا۔ کسی نے شاعری کو سیاست، اقتصادیات اور سماج کی ترقی کے لئے آلۂ کار نہیں بنایا کیوں کہ ایسا کرنا اس کے لئے موت کو پیغام دینے کے برابر تھا صفوی دور میں ایران میں عظیم انقلاب کی ابتدا ہوئی اور یہ انقلاب قاچار دور میں عروج پر پہنچا۔ آزادی اور سلاطینِ وقت کے خلاف نعرے یہی زمانہ کی پکار تھی۔ نیز ملک اور اس کے باشندوں کی ترقی و خوش حالی نے شعرا کی توجہ مبذول کی تھی۔ آزادی کے متوالے شعرا نے لوگوں میں آزادی کی محبت کو ابھارا[1]۔ علاوہ ازیں سماج کی خرابیوں کو دور کرنا بھی موضوعاتِ شاعری میں داخل تھا۔ لہذا شعرائے وقت کے کلام ان سے لبریز ہیں۔ اسی زمانہ میں ایرج نے جنم لیا تھا۔ لہذا ماحول کا اثر اس کی شاعری پر لازمی اور یقینی تھا۔ ایرج مرزا نے ملک و قوم کی ترقی کے لئے تعلیم کو زیادہ اہم سمجھا۔ ملک کی ترقی کا دارومدار بڑی حد تک اس کے تعلیم یافتہ ہونے پر ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کو ایرج نے مغربی ملکوں میں پایا۔ ان ملکوں کے مقابلہ میں ایرج نے ایران کو بہت پیچھے پایا۔

ایرج اس نظامِ تعلیم کے بھی خلاف تھا جو اس کے زمانہ میں رائج تھا۔ یہ نظامِ تعلیم ملک کی ترقی کے لئے زیادہ مفید نہیں تھا۔ اس قسم کی رائے ایرج مرزا نے غالباً اس وقت قایم کی جب اہلِ مغرب نے تعلیم کے میدان میں نئی چیزیں دریافت کیں۔ جس وقت روسو اور جان ڈیو نے پورے تعلیمی نظام کو بدل کر رکھ دیا۔ ان لوگوں نے تعلیم میں بچہ کو زیادہ اہمیت دی انھوں نے بچوں کی ذہنی و جسمانی قابلیتوں اور اس کی استعداد اور پسند کو زیادہ اہم سمجھا اور اس کے مطابق نئے طریقہ دریافت کئے لیکن ایران کا نظامِ تعلیم ہنوز پرانی طرز پر قائم تھا جہاں بچہ کی انفرادیت کو نظر انداز کیا جاتا اور معلومات کا ذخیرہ

---

[1] دیوان ایرج مرزا ص ۲۱

چنانچہ امیری شاعر نے علی الاعلان کہا کہ شعرا لیلیٰ و مجنوں کے قصوں کے بدلے شاعری سے وطن کی ترقی کا کام لیں۔ امیری کے شعر یہ ہیں:

قصۂ قیس و غصۂ لیلیٰ — حرف محمود و سرگذشت ایاز
کہنہ شد این فسانہا یکسر — کن حدیث نوی ز سر آغاز
بگذر از این فسون و این نیرنگ — دیگر ازین سخن فسانہ مساز
گر ہوائی سخن بود لسبرت — از وطن بعد ازین سخن گو باز

بچوں کے دماغ پر جبراً ٹھونسا جاتا تھا چنانچہ ایرج کی ذیل کی نظم اس ضمن میں قابلِ ذکر ہے جس میں ایرج نے شاگرد اور استاذ دونوں کے نظامِ تعلیم سے بیزاری کا اظہار کیا ہے:

چنیں میگفت شاگردی بمکتب — کہ ایں مکتب چہ تاریکست یارب

نباشد جز ہماں تاریک دیوار — ہماں لوح سیاہ و تیرہ و تار

ہماں درس و ہماں بحثِ مبیّن — ہماں تکلیف و آں جائی معین

ہمیشہ ایں کتاب و ایں قلمداں — ہمیں دفتر کہ در پیش است و دیوان

نشاید خواند ایں را زندگانی — کسالت باشد ایں نہ شادمانی

معلم در جوابش ایں چنیں گفت — کہ باشد حالِ تو با حالِ من جفت

ہمیں بستر مرا ہموارہ در زیر — کنم ہر صبحگہ ایں درس تکریر

نباشد جز ہماں قیل و ہماں قال — ہماں تحویلِ صرف و نحو اطفال

چہ اطفالی کہ با ایں جملہ تدریس — نمی دانند جز تزویر و تلبیس

چناں تنبل بوقتِ درس خواندن — کہ ہم خود را کسل سازند و ہم من

بشاگرد و معلم بار بسیار

بگردن ہست و باید برد ناچار[1]

ایرج مرزا کے یہاں تعلیم کے متعلق اس قسم کی اور نظمیں بھی ہیں جو بچوں کی تعلیم کے لئے بہت مفید ہیں۔ اس کی ایک نظم جس کا عنوان "شوقِ درس خواندن" مشہور و معروف ہے ایرج نے آسان پیرایہ میں بچوں میں علم کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نظم کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

حمد پروردگار یکتا بود — کہ مرا شوق درس خواندن داد

آشنا کرد چشم من بکتاب — داد توفیق خیرم از ہر باب

در سرِ من ہوای درس نہاد — در دلِ من محبتِ استاد[2]

[1] دیوان ایرج مرزا ص ۲۴-۲۵ [2] ایضاً ص ۱۱۲

نئے دور کے ماہرین تعلیم نے ٹکنیکل ایجوکیشن پر زیادہ زور دیا ہے اس میں علم طب ریاضی وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔ چنانچہ اپنی ایک نظم میں ایرج نے اپنے لڑکے کو چند نصیحتیں لکھی ہیں جن میں ان پر بھی زیادہ زور دیا ہے۔ یہ نظم ایرج نے گو اپنے لڑکے کے لئے لکھی جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے لیکن پورا ملک اس سے مستفید ہو سکتا ہے چنانچہ ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں :

امروز سہ سال بیش ازیں نیست | بے علم دگر نمیتواں زیست
گر صنعت و حرفت ندانی | زحمت ببری ز زندگانی
از طب و طبیعی و ریاضی | قلب تو بہر چہ ہست راضی
یک فن بپسند و خاص خود کن | تحصیل باختصاص خود کن [1]

تعلیم کے علاوہ ایرج سماج کی ترقی کے لئے بھی اپنی شاعرانہ استعداد کو کام میں لایا۔ عورت اور اس کی آزادی اور اس کا سوشل رتبہ شعراء کے کلام کا موضوع بن چکا تھا۔ نئے دور کے شعرا نے عورت کو اس کے اپنے حقوق دلانے میں بڑی مدد کی۔ انھوں نے عورت کے وجود کو نہایت اہم سمجھا۔ ان کی نظر میں عورت ملک کی ترقی میں اتنی ہی مفید ہے جتنا کہ مرد۔ لیکن عورت کی پسماندہ حالت کو دیکھ کر شعراء وقت نے صدائے احتجاج بلند کی۔ چنانچہ عارف اور دیگر شعرا کے کلام میں اس مسئلہ پر کافی اشعار ملتے ہیں۔ ایرج مرزا بھی عورت کو احترام کی نظر سے دیکھتا تھا جیسا کہ اس کے ذیل کے اشعار سے ظاہر ہے۔ ان اشعار میں ایرج نے عورت کو مرآت جمال ذوالجلال کہا ہے اور دوسرے شعر میں اسے باغ زندگی میں ریاحین سمجھا ہے :

(۱) تو مرآتِ جمالِ ذوالجلالی | چرا مانند شلغم در جوالی [2]
(۲) بباغِ جان ریاحینند نسواں | بجای ورد و نسرینند نسواں [3]

ایرج مرزا پردہ وحجاب سے متنفر تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ عورت گھر کی چار دیواری میں منہ کو ڈھانکے بیٹھی رہے۔ بلکہ ایران کی تعمیر میں ایرج چاہتا تھا کہ وہ بھی مردوں کا ہاتھ بٹائے۔ نیز وہ

---

[1] دیوان ایرج مرزا ص ۲۸ [2] ایضاً ص ۴۴ [3] ایضاً ص ۴۰

رقمطراز ہے کہ حجاب کے متعلق نہ کوئی حدیث ہے اور نہ کوئی خبر ہے کہ عورت اس طرح اپنا منہ چھپائے دنیا سے الگ رہے۔ اس سوشل مسئلہ پر ایرج نے کئی اشعار لکھے۔ عارف نامہ میں ایرج نے بالخصوص اس مسئلہ پر مفصل بحث بھی کی ہے۔ ذیل میں اس کے چند اشعار سپرد قلم ہیں:

(۱) خدایا تا بکی مردان بخوابند   زنان تا کی گرفتارِ حجابند

(۲) بدآن خوبی در این چادر کریہی   بہر چیزی بجز انسان شبیہی
کدا ست آن حدیث و آن خبر کو   کہ باید زن کند خود را چو لولو

(۳) پیمبر آنچہ فرمودہ است آن کن   نہ زینت فاش نہ صورت نہان کن
حجابِ دست و صورت خود یقین است   کہ ضدِ نص قرآنِ مبین است

(۴) در اقطارِ دگر زن یارِ مرد است   در این محنت سراسر بارِ مرد است
تو ای با مشک و گل ہمسنگ و ہمرنگ   نمیگردد در این چادر دلت تنگ
نہ آخر غنچہ در سیر تکامل   شود از پردہ بیرون تا شود گل
تو ہم دستی بزن این پردہ بردار   کمالِ خود بعالم کن نمودار
تو ہم این پردہ از رخ دور میکن   در و دیوار را پر نور میکن

ایرج مرزا کی شاعری پر سرمایہ داری اور مزدور نے بھی اثر ڈالا ہے۔ شاعر کی حساس طبیعت نے ان دو انسانوں میں جو فرق پایا اس کا اظہار اس نے اپنے کلام میں کیا۔ ایرج مرزا سرمایہ داری کے خلاف تھا اور ملک کو اس کے خراب اثرات سے بچانے کے لئے اس نے اپنی شاعری سے کام لیا وہ سرمایہ داروں کے بے جا گھمنڈ کے سخت خلاف تھا۔ ایرج کی یہ رائے تھی کہ مزدور اور سرمایہ دار دونوں یکساں ہیں۔ بغیر مزدور کی مزدوری کے سرمایہ دار آگے بڑھ نہیں سکتا۔ اس یکسانیت کو قایم رکھنے کے لئے جس پر ملک و قوم کی ترقی کا بڑی حد تک دارومدار ہے ایرج نے ایک چھوٹی لیکن پر اثر نظم لکھی جس کا عنوان "کارگر" ہے، اس نظم کے چند منتخب اشعار یہ ہیں:

شنیدم کار فرمائی نظر کرد   ز روی کبر و نخوت کارگر را

بگفت ایگنجور این نخوت از چیست — چو مزد رنج بخشی رنجبر را
تو از من زور خواہی من ز تو زر — چہ منت داشت باید یکدیگر را
زنی یک بیل اگرچوں من درانخاک — بگیری با دو دستِ خود کمر را
نشانم از جبیں گوہر درایں خاک — نشانم از تو پاداش ہنر را
نہ باقی دارد ایں دفتر نہ فاضل — گہر دادی و پس دادم گہر را

ملک کی ترقی میں شراب بندی کو ایک خاص و عام کا کام سمجھا جاتا ہے۔ ہر ذی ہوش آدمی اس کے نقصانات سے بخوبی واقف ہے۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ سوشل رفارمرز نے شراب بندی کے واسطے بڑی جدوکد سے کام لیا۔ ایرج نے اس موضوع کو اپنے سامنے رکھا اور اس پر شعر موزوں کئے۔ اس نے نہایت دلچسپ قصہ بیان کر کے شراب کی مذمت کی ہے تاکہ لوگ اس سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔ قصہ یوں ہے: ایک شخص نے ابلیس کو خواب میں دیکھا جس کی شکل بڑی ڈراؤنی تھی اس نے اس شخص سے کہا کہ وہ موت ہے اگر تو جان کی سلامتی چاہتا ہے تو ان تینوں کاموں میں سے کوئی ایک کام کر یا تو اپنے باپ کو قتل کر یا بہن کو یا شراب پی۔ ان میں سے اس شخص نے شراب کو پسند کیا اور شراب پی لی کیوں کہ اسے باپ سے اور بہن سے محبت تھی۔ جوں ہی شراب سے وہ مست ہوا اس نے باپ اور بہن دونوں کو قتل کر ڈالا۔ چنانچہ ایرج نے اس قصہ کو اس انداز میں بیان کیا ہے:

ابلیس شبی رفت بہ بالینِ جوانی — آراستہ با شکل مہیبی سر و بر را
گفتا کہ منم مرگ و اگر خواہی زنہار — باید بگزینی تو یکی زیں سہ خطر را
یا آں پدر پیر خودت را بکشی زار — یا بشکنی از خواہر خود سینہ و سر را
یا خود ز می ناب بنوشی دو سہ ساغر — تا آنکہ بپوشم ز ہلاکِ تو نظر را
لرزید از ایں بیم جواں بر خود و جا داشت — کز مرگ فتد لرزہ بتنِ ضیغمِ نر را
گفتا نکنم با پدر و خواہرم ایں کار — لیکن بمی از خویش کنم دفع ضرر را

جامی دو سہ می خور چو شد چیرہ ز مستی — ہم خواہر خود را زد و ہم کشت پدر را

اے کاش شود خشک بن تاک خداوند — زیں مایہ شر حفظ کند نوع بشر را[1]

ایرج نے شاعری سے قوم اور ملک کی اصلاح کا کام لیا جیسا کہ مذکورہ بالا بحث سے واضح ہے۔ لیکن ایرج کی شاعری کو صرف اصلاح تک محدود کرنا ایک سخت ناانصافی ہے۔ اس کا دیوان گوناگوں موضوعات کا حامل ہے اس میں متقدمین کا رنگ ہی نہیں جھلکتا ہے بلکہ زمانہ حال کا بھی آئینہ دار ہے۔ اس کے کلام میں رومی، حافظ اور سعدی کا اثر ہی نہیں بلکہ بہار، عارف اور دیگر شعرائے وقت کا اثر بھی نمایاں ہے۔ ایرج مرزا نے تصوف، فلسفہ اور سیاست تینوں کو اپنا میدان قرار دیا ہے۔ اس کی نظم "مرگ ضعیف"، "وفا"، "اشک شیخ" وغیرہ میں فلسفیانہ رنگ پایا جاتا ہے۔ اور اس کے ذیل کے اشعار سے تصوف اور بے ثباتی عالم کا پتہ چلتا ہے: ؎

ہر کہ آمد دریں جہاں ناچار — رود ازیں جہاں چہ شہ چہ گدا

یک جہان دگر خدای آراست — کہ بود نام آن جہانِ بقا

سوی دارِ بقا رود ہر کس — کہ بیامد دریں سرای فنا

اسی طرح یہ بھی اشعار ملاحظہ فرمائیے

چشمِ عبرت کشا ببیں کہ چساں — مسندِ جم بداد بر کف باد

ہمہ ناکام از زمانہ روند — زانکہ کام کسی زمانہ ندارد

جائے مرگش آسماں دوزد — ہر کہ اندر زمیں ز مادر زاد

ایسے باکمال شاعر اور مصلح قوم نے دوشنبہ ۲۸ رشعبان ۱۳۴۳ھ میں وفات پائی۔ خسرو ایرج کا بیان ہے کہ قلب کی حرکت یکایک بند ہوجانے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی چنانچہ اس کا بیان حسب ذیل ہے:

"..... روز دوشنبہ ۲۸ رشعبان ۱۳۴۳ھ ..... یکساعت بغروب در اثر سکتۂ قلبی دار فانی را بدرود گفتہ وطومارِ زندگانی را درہم پیچید"[2]

---

[1] دیوان ایرج مرزا ص ۱۰ [2] ایضاً ص ۵